دعوت وتبلیغ ۲۵ بار اوّل ۳۰۰۰

تلخیص

الفاظ القرآن

ازافادات

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

حاشیہ: مولانا خلیل احمد تھانوی

شعبہ نشر و اشاعت

جامعہ دار العلوم الاسلامیہ

کامران بلاک ○ علامہ اقبال ٹاؤن ○ لاہور

فون پرانی انارکلی ۳۵۳۷۲۸ ◉ فون کامران بلاک ۴۴۸۰۰۶۰

شوال المکرم ۱۴۱۴ھ — اپریل ۱۹۹۴ء

حضرت والاؒ نے ضرورت تعلیم قرآن پر یہ وعظ جامع مسجد کیرانہ ضلع مظفر نگر میں ۲۴ شعبان المعظم ۱۳۳۴ھ بروز اتوار صبح کے وقت منبر پر بیٹھ کر ارشاد فرمایا۔ وعظ سوا پانچ گھنٹے جاری رہا۔ سامعین کی تعداد ۱۵۰۰ تھی۔ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ نے اسے قلمبند فرمایا۔

ابتدائیہ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے آج سے کم و بیش ۸۰-۸۲ سال قبل الفاظ اور آن کے موضوع پر یہ وعظ بیان فرمایا تھا۔ وعظ خاصا طویل ہے اور موضوع سے متعلق مختلف پہلوؤں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ انداز بیان اس قدر عجیب ہے کہ اہل ذوق جتنی مرتبہ بھی پڑھیں دل کیف و طرب سے معمور و مخمور ہوجاتا ہے۔

اہل علم و فہم اور عارفین کا خیال ہے کہ مواعظ میں جو مضامین جس تعبیر کے ساتھ حضرت حکیم الامت کی زبان سے بیان ہوئے ہیں وہ یقیناً کلام مقبول اور وارد و الہام کا درجہ رکھتے ہیں۔ اور فی زمانہ جو اوہام و شکوک وبا کی طرح پھیل رہے ہیں ان کے علاج کے لئے تریاق کا کام دیتے ہیں۔ یہ وعظ کیونکہ طویل ہے اور آجکل وقت کی قلت، کم ہمتی اور رغبت کا فقدان ہے ان سب باتوں کو محسوس کرتے ہوئے حضرت حکیم الامت ؒ کے خلیفہ ارشد عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ عارفی قدس سرہ نے حضرت ؒ کے بعض دوسرے خلفاء اور مزاج شناس حضرات کے مشورہ سے یہ طے فرمایا کہ اس وعظ کا خلاصہ اس طرح کیا جائے کہ الفاظ، مضمون اور ربط بر چیز کو برقرار رکھتے ہوئے اقتباسی تلخیص کی جائے۔ اپنی طرف سے ایک حرف بھی شامل نہ کیا جائے۔ ظاہر ہے اس طرح کسی مسلسل مضمون کا خلاصہ کرنا آسان کام نہیں تھا۔ الحمد للہ حضرت ڈاکٹر صاحب کی اس خواہش کی تکمیل بھی حکیم الامت کے خلیفہ خاص حضرت مولانا (بابا) نجم احسن صاحب احسن گرامی قدس سرہ کے ہاتھوں ہوئی۔ وعظ کا یہ خلاصہ سب سے پہلے حضرت ڈاکٹر عبد الحیؒ صاحبؒ اور حضرت بابا نجم احسن صاحبؒ کی زندگی ہی میں نواب محمد عشرت علی خاں صاحب قیصر مدظلہ کے فرزندان جلیل عزیزم محی الدین شاہ رخ اور عزیزم نصیر الدین رخ نے شائع کیا۔ الحمد للہ دوسری مرتبہ اسکی اشاعت کی سعادت جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور کو مل رہی ہے۔

حق تعالی اسکی برکات سے ہم سب کو بہرہ ور فرمائے آمین

مشرف علی تھانوی

مہتمم جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور۔

پیش لفظ

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نور اللہ مرقدہ کے مواعظ گذشتہ چالیس پچاس سال سے مسلسل چھپ رہے ہیں اور عوام وخواص ان علوم سے استفادہ کر رہے ہیں، حضرت کا ارشاد ہے۔ کہ اگر کوئی پچاس وعظ بغرض اصلاح پڑھ لے تو انشاء اللہ اسکی اصلاح ہو جائیگی۔ آج کل استعداد کم ہونیکی وجہ سے ہر شخص کیلئے حضرت کے مواعظ کو سمجھنا اور اس سے فائدہ اٹھانا ممکن نہیں رہا، اس لئے کہ ان میں عربی فارسی کے مشکل الفاظ استعمال ہوئے ہیں، جن کے ترجمہ سے عوام واقف نہیں اور بہت سے عربی، فارسی اشعار نیز قرآنی آیات کا ترجمہ نہ ہونیکی وجہ سے کماحقہ وعظ سمجھنے سے عوام قاصر رہتے ہیں۔ لہذا دارالعلوم الاسلامیہ کامران بلاک اقبال ٹاؤن لاہور کے شعبہ اشرف التحقیق کیطرف سے احقر نے حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہم العالی کی زیر سرپرستی یہ کوشش کی ہے کہ وعظ کے مشکل الفاظ اور عربی، فارسی عبارتوں کا ترجمہ حاشیہ پر دیا جائے، تاکہ نفس مضمون سمجھنے میں سہولت ہو، اور پورے طور پر ان علوم سے استفادہ کیا جاسکے دارالعلوم کیطرف سے ہر ماہ ایک وعظ ان حواشی کے ساتھ شائع کر کے شائقین و متعلقین کو بلامعاوضہ ارسال کیا جاتا ہے۔ قارئین سے التماس ہے کہ وہ اس وعظ کو خود مطالعہ کرنے کے بعد اپنے افراد خانہ کو پڑھوائیں، پھر کم از کم مزید دس افراد کو اس کا مطالعہ کروائیں، تاکہ تین ہزار کی تعداد میں چھپنے والے وعظ سے تیس ہزار افراد مستفید ہو سکیں۔ اور اپنی دعاؤں میں محشی اور ارکان ادارہ کو یاد رکھیں۔

فقط

خلیل احمد تھانوی

خادم ادارہ اشرف التحقیق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اما بعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم ○ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ○ الرٰ تلک آیٰت الکتاب وقرآن مبین ○ (۱) یہ آیات کتاب اور قرآن مبین کی ہیں۔ **طٰسٓ تلک آیٰت القرآن و کتاب مبین ○** یہ آیتیں قرآن اور کتاب مبین کی ہیں۔ (۲)

یہ دو آیتیں ہیں ایک سورۂ حجر کی دوسری سورۂ نمل کی۔ اس مضمون کے اختیار کی یہ وجہ ہوئی کہ آج کل مسلمانوں کو قرآن کے حقوق سے غفلت ہے اور جو اہتمام اس کا ہونا چاہئے اس میں کوتاہی ہے۔ اول سے آخر تک قرآن کا پڑھنا فرض کفایہ ہے اور ایک آیت کا یاد کرنا فرض عین اور سورۂ فاتحہ اور ایک سورت کا سیکھنا کو چھوٹی ہی سی سورت ہو' واجب ہے۔ میں نے قرآن کا بیان اسی لئے اختیار کیا ہے کہ اس کا جو درجہ ضرورت کا ہے مسلمان اس سے بھی غافل ہیں اور جس درجہ اس کا اہتمام ہونا چاہئے اس میں بھی آج کل کوتاہی ہے اور اس کوتاہی کو بہت لوگ کوتاہی ہی نہیں سمجھتے۔ قرآن کے جس درجہ میں کوتاہی ہے وہ ایک تو فرض کفایہ کا درجہ ہے اور ایک فرض عین کا درجہ ہے۔ بعض لوگ پورا قرآن نہیں پڑھتے اور بعض لوگ صحت و تجوید حاصل نہیں کرتے اور ان دونوں درجوں میں قرآن ہی کا تحقق نہیں رہتا۔ اول میں تو ظاہر ہے کہ جزء کا فوت کل کے فوت کو مستلزم ہے (۳) اور دوسرے اس لئے کہ قرآن عربی ہے عربیت کے فوت ہونے سے بھی قرآن کا تحقق نہ رہے گا۔

اس وقت مجھے قرآن کے متعلق صرف ایک مضمون بیان کرنا ہے جو اب تک کانوں میں نہیں پڑا' باقی مضامین جو سب کے کانوں میں پڑے ہوئے ہیں مثلاً" فضائل قرآن و ثواب وغیرہ وہ اس وقت بیان نہ کروں گا۔

---

(۱) سورہ حجر : آیت ۱ (۲) سورہ نمل : آیت ۲

(۳) یعنی جزو فوت ہو جائے تو کل کا فوت ہو جانا لازم ہوجاتا ہے۔

وہ نیا مضمون جس کے بیان کا قصد ہے اہم ہے۔ یہ مضمون غالباً نہ کسی دوسرے سے آپ نے سنا ہوگا اور نہ سننے کی امید اور نہ کتابوں میں نظر آئے گا۔

یہ دونوں آیتیں جو میں نے تلاوت کی ہیں حروف مقطعات(۱) سے شروع ہوئی ہیں۔ جو کٹے کٹے پڑھے جاتے ہیں ملا کر نہیں پڑھے جاتے اور انکا مقطعات ہونا نقل ہی سے معلوم ہوتا ہے۔ لکھا ہوا دیکھ کر معلوم نہیں ہو سکتا' کیونکہ کتابت میں سب متصل (۲) ہیں۔ اس سے انکا مقطع (۳) سمجھنا دشوار ہے۔ دونوں (سورتیں) حروف مقطعات سے شروع ہوئی ہیں۔ ان دونوں آیتوں میں آیات کو آیات قرآنیہ کہا گیا ہے۔

ایک جگہ کتاب کا لفظ مقدم ہے اور قرآن موخر اور دوسری جگہ لفظ قرآن مقدم کتاب موخر ہے۔ نیز ایک جگہ قرآن منکر ہے اور دوسری جگہ معروف اور کتاب بھی ایسے ہی ہے۔ ان آیتوں میں قرآن کے دو لقب مذکور ہیں ایک کتاب (بمعنی قابل کتابت) دوسرے قرآن (بمعنی قابل قرآت) اور دونوں جگہ مبین کی صفت و قید مذکور ہے۔ دراصل مجھے اس وقت ایک شبہ کا رفع کرنا(۴) مدنظر ہے۔ اور اسی لئے میں نے ان آیات کو اختیار کیا ہے اور حقیقت میں وہ شبہ نہیں بلکہ غلطی ہے' وہ شبہ یہ ہے کہ اس حالت میں قرآن کے پڑھنے سے کیا نفع جب ہم اس کو سمجھتے ہی نہیں اور بعضے اس عنوان سے اسکو بیان کرتے ہیں کہ بچوں کو طوطے کی طرح قرآن کے رٹانے سے کیا فائدہ؟ جب وہ سمجھتے ہی نہیں۔ بات یہ ہے کہ قرآن کے پڑھنے میں جو فائدہ ہے اس سے یہ لوگ واقف نہیں۔ اگر فائدے سے واقف ہوجاتے تو اس کے لئے کوشش کرتے' جو لوگ یہ شبہ کرتے ہیں کہ جب سمجھتے ہی نہیں تو قرآن کے پڑھنے سے کیا فائدہ؟ یہ محض حظ نفس (۵) کے بندے ہیں۔ اگر یہ شبہ عقلی ہوتا کہ جب معانی نہ سمجھے تو الفاظ سے کیا فائدہ تو بتلایئے اس قاعدہ عقلیہ سے کیا ثابت ہوتا ہے آیا یہ کہ الفاظ کو چھوڑ دو یا یہ کہ محض الفاظ پر اکتفا نہ کرو بلکہ معانی بھی

---

(۱) جیسے الم' الر وغیرہ سورتوں کے شروع میں آتے ہیں۔ (۲) ملے ہوئے

(۳) جدا جدا (۴) دور کرنا (۵) نفسانی خواہش

حاصل کرو۔ ظاہر ہے کہ اس سے الفاظ کے چھوڑنے پر دلالت نہیں کیونکہ جب معانی کی ضرورت اس قاعدہ میں مسلم ہے اور معانی الفاظ کے تابع ہیں اور ضروری کا موقوف علیہ ضروری ہوتا ہے تو اس سے تو خود علم الفاظ کی ضرورت پر دلالت ہو رہی ہے -

اگر وہ یہ کہیں کہ ہاں ہم الفاظ کی ضرورت تسلیم کرتے ہیں مگر ان کو اس وقت حاصل کرنا چاہئے جب کہ معانی کی فہم (۱) بھی ساتھ ساتھ حاصل ہو سکے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ آپ کی یہ تاویل اس وقت چل سکتی تھی جبکہ ہم دیکھتے کہ تم اپنے بچوں کو بچپن میں تو قرآن نہ پڑھاتے کیونکہ اس وقت وہ سمجھیں گے نہیں' بلکہ بڑے ہو کر پڑھاتے کہ اس وقت سمجھیں گے' مگر تم بچپن میں پڑھاتے ہو اور نہ بڑے ہو کر' تو معلوم ہوا کہ تم اس قاعدہ سے علی الاطلاق (۲) خود عدم ضرورت الفاظ پر بھی استدلال (۳) کرنا چاہتے ہو اور یہ وہی بات ہے کہ دلیل سے ضد شے (۴) پر استدلال کیا گیا ہے حالانکہ وہ عین شے (۵) کو بھی مثبت (۶) ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ قاعدہ عقلیہ نہیں' اس کا منشا محض نفس پرستی ہے۔ ان لوگوں نے اس قضیہ کو غرض نفس (۷) کا ایک بہانہ بنالیا ہے اور دل میں انکے یہ ہے کہ نہ قرآن کے الفاظ کی ضرورت ہے نہ معانی کی۔ گو زبان سے معانی کی ضرورت ظاہر کرتے ہیں مگر ان کا عمل بتلاتا ہے کہ وہ کسی کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے۔ ورنہ کسی وقت تو قرآن کو معانی ہی کے ساتھ حاصل کرتے اور اپنے بچوں کو اس کی تعلیم دلاتے۔ جب عمل یہ ہے تو اب زبان سے معانی کی اہمیت ظاہر کرنا مخلوق کو دھوکا دینا ہے۔ مگر خدا کو کس طرح دھوکا دے لو گے جو علیم بذات الصدور(۸) ہے۔ وہ تو تمہاری دل کی حالت کو خوب جانتا ہے کہ تم خود قرآن کی تعلیم ہی کو مطلقاً بے فائدہ سمجھتے ہو خواہ محض الفاظ ہوں یا معانی کے ساتھ ہوں۔

---

(۱) سمجھ (۲) مطلقاً" (۳) دلیل پکڑنا (۴) کسی شے کی ضد (۵) چیز کی اصل

(۶) ثابت کرنے والی (۷) نفس کی خواہش (۸) دلوں کا حال جاننے والا

یہ لوگ زبان سے یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ قرآن پڑھنے کو مطلقاً" ہمارا جی نہیں چاہتا' ورنہ کفر کا فتویٰ لگ جاویگا۔ اس لئے یہ قاعدہ غرض نفس کے موافق گھڑ لیا کہ جب معانی نہیں سمجھتے تو الفاظ سے کیا نفع(۱) اس کا جواب بس یہی ہے کہ بہت اچھا آپ اپنے بچوں کو معانی کے ساتھ ہی قرآن پڑھائیے اور ان کو ابتداء ہی سے عربی کی تعلیم صرف و نحو کی دیجئے۔ مگر اس سے تو اور بھی خون خشک ہو جائے گا کیونکہ وہ تو الفاظ کو ٹال کر معانی سے بھی سبکدوش ہونا چاہتے ہیں۔ یہ کیسی الٹی پڑی صرف و نحو بھی گلے پڑ گئی مگر جو شخص الفاظ کو بدوں معانی(۲) کے بے فائدہ کہے اور صرف معانی ہی کی ضرورت کا قائل ہو اس کو یقیناً" ضروری کی تحصیل(۳) پر مجبور کیا جائے گا۔

ان میں سے بعضوں نے معانی حاصل کرنے کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ ترجمہ قرآن کا مطالعہ کر لیا' مگر یہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص "خوان نعمت" سے کھانا پکانا سیکھے کیونکہ اس میں سب کھانوں کی ترکیب لکھ دی ہے۔ مگر اس سے آٹا گوندھنے کا طریقہ اور پانی کھپانے کی ترکیب اور آنچ کا انداز کیسے معلوم ہو گا۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک صاحب نے ضاد کے بارے میں مجھ سے تحریراً" سوال کیا تھا کہ ضاد کا مخرج کہاں سے ہے اور اس میں اور ظاء میں فرق کیوں کر ہوتا ہے؟ میں نے لکھ دیا کہ یہ بات خط سے معلوم نہیں ہو سکتی اس کو کسی ماہر تجوید سے زبانی سن کر سمجھ سکتے ہو۔ بعض باتیں ایسی ہیں جو مطالعہ سے حاصل نہیں ہو سکتیں بلکہ ان کے لئے استاد کی ضرورت ہے' کیونکہ بعض باتیں سینہ بہ سینہ ہوتی ہیں بلکہ ہر علم میں۔ پھر قرآن ہی اتنا سستا کیوں ہو گیا کہ اس کا مطلب بدون استاد کے سمجھ میں آجائے گا۔

آجکل تعزیرات ہند کا ترجمہ اردو میں ہو گیا ہے ذرا کوئی اس ترجمہ کو دیکھ کر مطلب صحیح تو بیان کر دے۔ یقیناً" بہت جگہ غلطی کرے گا اسی طرح کیمیا کی کتابیں اردو میں ترجمہ ہو گئی ہیں کوئی ان کو دیکھ کر کیمیا تو بنا لے' کبھی نہیں بنا سکتا۔

پس معانی قرآن حاصل کرنے کا یہ طریقہ نہیں کہ ترجمہ دیکھ لیا جائے ترجمہ

---

(۱) فائدہ (۲) بغیر معانی (۳) حاصل کرنا

قرآن اگر دیکھو تو صرف و نحو اور قدرے فقہ کے بعد دیکھو اگر یہ نہ ہو سکے تو کم از کم اردو ترجمہ کسی عالم سے تو "سبقاً سبقاً" پڑھ لو۔ سو ایک جماعت تو یہ تھی اور ایک جماعت عوام کی ہے اور ان کا عقیدہ یہ تو نہیں کہ بدون معانی کے قرآن پڑھنے سے کیا فائدہ مگر اس کا اثر لئے ہوئے ہیں کہ قرآن کے پڑھنے میں کوشش نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں الۤرٰ فرمایا ہے تو صرف مقطعات ہیں جن کے معنی ہم کو معلوم نہیں، گو بقول بعض محققین رسول اللہ ﷺ کو معلوم تھے، لیکن امت کو نہیں بتلائے گئے۔ تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں تلک آیات الکتاب و قرآن مبین ○ (یہ آیات کتاب اور قرآن مبین کی ہیں) یہی ترجمہ دوسری آیت کا ہے صرف کتاب اور قرآن میں تقدیم و تاخیر(۱) کا فرق ہے۔ تو اس جگہ آیات کے دو لقب بیان کئے گئے ہیں ایک قرآن اور ایک کتاب۔ قرآن کے معنی ہیں "مایقرأ" یعنی پڑھنے کی چیز اور کتاب کے معنی ہیں "مایکتب" یعنی لکھنے کی چیز اور ظاہر ہے کہ پڑھنے اور لکھنے کی چیز کیا ہے الفاظ ہی تو ہیں، معانی کو کون پڑھ سکتا یا لکھ سکتا ہے۔ معانی قرات و کتابت میں نہیں آسکتے ان کا محل صرف ذہن ہے۔ لوگ بے تار کی خبر پر تعجب کرتے ہیں مگر خدا تعالیٰ نے اس کو پہلے سے پیدا کر رکھا ہے۔ کیونکہ الفاظ سے معنی کا سمجھنا بے تار کے ہی تو خبر ہے۔ کیونکہ معانی کا مرکز قلب (۲) ہے اور جہاں الفاظ کسی کی زبان سے نکلے معاً وہاں معانی سمجھے گئے۔ غرض ان آیتوں میں اشارہ کیا بلکہ صراحت ہے کہ قرآن کے ساتھ پڑھنے کا تعلق رکھو کیونکہ الفاظ قرآن کے معنی یہی ہیں اور ظاہر ہے کہ قرات الفاظ ہی کی ہوتی ہے نہ کہ معانی کی، دوسری صفت اس جگہ کتاب ہے جس کے معنی لکھنے کی چیز ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ الفاظ قرآن کے ساتھ قرات کے علاوہ ضبط و کتابت کا بھی تعلق رکھنا چاہئے۔ سو اب تک یہی بات ذہن میں تھی اور دوسری جو بات اسی وقت ذہن میں آئی یہ ہے کہ کتاب کا مصداق حقیقتاً نہ الفاظ ہیں اور نہ معانی، کیونکہ الفاظ تو زبان سے ادا ہوتے ہیں ان کا محل (۳)

---

(۱) پہلے اور بعد (۲) دل (۳) جگہ

زبان ہے۔ لفظ کے معنی لغت میں پھینکنے کے ہیں چونکہ الفاظ زبان سے پھینکے جاتے ہیں یعنی نکالے جاتے ہیں اس لئے ان کو الفاظ کہا جاتا ہے اور معانی کا محل صرف ذہن ہے وہ کتاب کا مصداق(۱) کسی طرح ہے ہی نہیں بلکہ اس کا مصداق دوسری چیز ہے یعنی نقوش (۲)مطلق نقوش نہیں بلکہ وضعی (۳) نقوش ہیں جیسا کہ الفاظ کی دلالت معانی پر وضعی ہے طبعی نہیں۔ کیونکہ غیر اہل زبان اس کو نہیں سمجھ سکتا اسی طرح نقوش بھی وضعی ہیں اور ان کی دلالت بھی الفاظ پر وضعی ہے۔اسی لئے پڑھے ہوئے آدمی ان کو سمجھتے ہیں' ان پڑھ نہیں سمجھ سکتے۔ جب یہ معلوم ہوگیا کہ کتاب کا حقیقی مصداق نقوش ہیں تو آپ تو الفاظ ہی کو غیر مقصود بتلاتے تھے اور قرآن کی اس آیت سے معلوم ہوا کہ نقوش قرآن بھی قابل حفاظت اور مستحق تعظیم ہیں۔ کیونکہ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی بادشاہ کسی شخص کو اشرفیاں اور جواہرات دے کر اس سے کہے کہ اس کو حفاظت سے رکھو قفل اور تالا لگاؤ۔ اگر اس شخص کو روپیہ اور جواہرات کی قدر معلوم ہے تو اس حکم کی قدر کرے گا'اور جس کو روپیہ کی قدر نہ ہوگی وہ کہے گا کہ یہ اچھی بلا میرے سر پڑی کہ حفاظت کرو اور قفل لگاؤ۔ اسی طرح جو لوگ معانی کی قدر کرتے ہیں وہ الفاظ اور نقوش کی بھی قدر کریں گے۔ کیونکہ یہ انہی کی حفاظت کا سامان ہے اور جو قدر نہیں کرتے وہ اس کو سر پڑی بلا سمجھیں گے پس معلوم ہوا کہ جو نو تعلیم یافتہ(۴) الفاظ قرآن کے پڑھنے کو بے فائدہ سمجھتے ہیں وہ درحقیقت معانی قرآن کی قدر نہیں کرتے ورنہ اس کی حفاظت کے ہر سامان کی ان کو قدر ہوتی۔ الفاظ قرآن کو اس کی حفاظت میں بہت بڑا دخل ہے۔ کیونکہ الفاظ قرآن کا یہ معجزہ ہے کہ وہ نہایت سہولت سے حفظ ہوجاتے ہیں کہ اگر خدانخواستہ یہ لکھے ہوئے مصاحف(۵) گم ہوجائیں تو ایک بچہ حافظ قرآن اپنی یاد سے اس کو دوبارہ لکھوا سکتا ہے۔

---

(۱) مراد (۲) الفاظ مراد ہے (۳) یعنی وہ اس کے معنی کے لئے بنائے گئے ہیں جن پر دلالت کرتے ہیں (۴) جدید تعلیم یافتہ (۵) قرآن

میں نہایت آزادی سے صاف صاف کہوں گا کہ جو لوگ بدون (۱) معانی سمجھے الفاظ قرآن کے پڑھنے کو بیکار کہتے ہیں واللہ (۲) وہ حضرات اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قرآن کے حافظ پیدا کرنا چاہتے ہیں تاکہ یہ محفوظ رہے' اور یہ لوگ دنیا سے حفظ قرآن کو مٹانا چاہتے ہیں۔ کیونکہ تجربہ شاہد ہے کہ حفظ قرآن بچپن ہی میں اچھا ہوتا ہے۔ بڑے ہو کر ویسا حفظ نہیں ہوتا' جیسا بچپن میں ہوتا ہے اور بچپن میں بچہ معانی قرآن سمجھنے کے قابل نہیں ہوتا۔ تو اب اگر ان لوگوں کے مشورہ پر بچوں کو قرآن نہ پڑھایا جائے تو اس کا انجام یہی ہے کہ حفظ کا دروازہ بند ہوجائے مگر

یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم ویابی اللہ الا ان یتم نورہ ولو کرہ الکافرون ○

"یہ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ بدون اس کے کہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا دیں مانیں گے نہیں' گو کافر لوگ کیسے ہی ناخوش ہوں۔"

یہ خدا کے نور کو مٹانا چاہتے ہیں۔ بخدا یہ خود ہی مٹ جائیں گے اور خدا کا نور ان کے مٹانے سے ہرگز نہ مٹے گا۔ یہ لوگ اپنے ایمان کی خیر منائیں' یہ ہیں کس ہوا پر؟ مگر اللہ تعالیٰ کا نور کیسے مٹ سکتا ہے؟ پس یہ خدا کی حفاظت ہے کہ قرآن کے اس قدر حفاظ ہر زمانے میں ہوتے رہتے ہیں کہ ان کا شمار و احصار (۳) دشوار ہے۔ بعض لوگ یوں کہہ دیا کرتے ہیں' کہ خدا جب خود قرآن کا حافظ و نگہبان ہے تو ہمیں اس کے اہتمام کی کیا ضرورت ہے۔ یہ بات ایسے دل سے نکلی ہے جس میں خدا سے ذرا بھی علاقہ (۴) اور لگاؤ نہیں۔ خدا تعالیٰ نے آپ کے ہاتھوں میں قرآن دے دیا ہے تو کیا عطیہ حق کی ہمیں قدر نہ کرنا چاہئے؟ کیا ہم کو اس کی حفاظت خود بھی نہ کرنا چاہئے؟ جب قرآن اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھوں میں دے دیا ہے تو اب تو یہ آپ کا ہوگیا۔ تو کیا اپنی ایسی قیمتی چیز کی جو سلطان السلاطین (۵) کے دربار سے ملی ہے

---

(۱) بغیر (۲) اللہ کی قسم (۳) احاطہ کرنا (۴) تعلق (۵) بادشاہوں کے بادشاہ

آپ کو حفاظت نہ کرنا چاہیئے؟ یقیناً کرنا چاہیئے' خصوصاً جبکہ خدا کی مرضی اس کی حفاظت میں ہے اور وہ اسکو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو آپکو بھی مرضی حق پر چلنا چاہیئے۔

واللہ خدا سے ہم کو تعلق بہت کم ہے لوگوں نے صرف وظیفوں اور مقدموں کے لئے خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق کر رکھا ہے' یوں کہئے کہ صرف روٹی کے لئے خدا سے واسطہ رکھا جاتا ہے اور جب روٹی مل گئی تو اب خدا کی کیا ضرورت ہے اور قرآن کی کیا ضرورت ہے اسی وقت یہ مستیاں سوجھتی ہیں کہ بدون سمجھے قرآن پڑھنے سے کیا نفع اور جب خدا خود قرآن کا حافظ ہے تو ہمیں اس کی حفاظت کی کیا ضرورت ہے۔ اگر خدا تعالیٰ سے تعلق ہوتا تو یہ باتیں نہ ہوتیں۔ کسی حسین سے کسی کو محبت ہوجاتی ہے تو یہ حالت ہوتی ہے کہ اپنا جان و مال سب اس پر قربان کر دیتے ہیں اور اس کی کسی بات سے ناگواری نہیں ہوتی۔

محبت کا سبب کمال (۱)' جمال (۲)' نوال (۳) ہے اور یہ باتیں حق تعالیٰ شانہ کے اندر کامل طور پر موجود ہیں۔ ان سے بھی اگر محبت نہ ہو تو پھر کس سے ہوگی' خبر بھی ہے کہ خدا تعالیٰ کون ہیں تمام حسن و جمال کے مبداء و منتہاء (۴) ہیں تو جب خدا تعالیٰ ایسے محبوب ہیں تو ہم کو ان کی مرضی کی رعایت کرنا چاہیئے اور خدا تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ قرآن محفوظ رہے تو آپ کو اس کی طرف جھکنا چاہیئے اور اسکے الفاظ کا پورا اہتمام کرنا چاہیئے کیونکہ الفاظ اور معانی دونوں قابل اہتمام ہیں۔ مگر الفاظ میں اتنی بات زیادہ ہے کہ معانی کی حفاظت الفاظ کی حفاظت پر موقوف (۵) ہے کیونکہ معانی کا ضبط بدون الفاظ کے نہیں ہوسکتا۔ دیکھئے سب سے پہلے معانی قرآن کا نزول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک پر ہوا ہے مگر وہاں بھی بواسطہ الفاظ ہوا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو الفاظ کا اس قدر اہتمام تھا کہ جب وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے تھے

---

(۱) خوبی (۲) حسن (۳) احسان

(۴) اسی سے ابتداء ہوتی ہے اسی پر انتہاء ہے (۵) جتی

حالانکہ حضور ﷺ کا حافظہ بہت قوی تھا اور حضور ﷺ کی قوت کا تو کیا پوچھنا آجکل سے تو اس زمانہ کے سب ہی لوگ قوی تھے۔ حضرات صحابہؓ کا حافظہ بھی ہم لوگوں سے زیادہ قوی تھا پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تو سب ہی سے زیادہ قوی تھا۔ بایں ہمہ (۱) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو الفاظ قرآن کا اس درجہ اہتمام تھا کہ فرشتہ کے ساتھ قرآن کو پڑھتے جاتے تھے۔ آپ ﷺ کو ان محبوب الفاظ کے نکلنے کا اندیشہ تھا کہ کہیں کوئی لفظ میری یاد سے نکل نہ جائے۔ اس لئے ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے تھے اس سے اندازہ کیجئے کہ حضور صلعم کو الفاظ قرآن سے کس درجہ عشق تھا۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ کے منع کرنے کی نوبت آئی۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ساتھ ساتھ پڑھنے کی مشقت نہ برداشت کیا کریں۔ لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ(۲) ہم ذمہ لیتے ہیں کہ قرآن کو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دل پر جما دیں گے۔ اس تسلی کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرشتہ کے ساتھ نہیں پڑھتے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو الفاظ قرآن کا اس درجہ اہتمام تھا تو ہم کو بھی ان کا اہتمام کرنا چاہئے کیونکہ بدون الفاظ کے معانی کی حفاظت نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا معانی کی نگہبانی یہی ہے کہ الفاظ کو یاد کیا جائے۔ حضرات سلف (۳) صالحین نے قرآن کے نقوش اور رسم خط کی بھی یہاں تک حفاظت کی ہے کہ رسم خط قرآن کے مستقل رسائل تصنیف کئے اور اس کو ایک علیحدہ فن قرار دیا اور اس میں تغیر و تبدل کو ناجائز قرار فرمایا ہے۔

آجکل تو یادگار قدیم کی اس قدر حفاظت کی جاتی ہے کہ اس کے تغیر کے بعد بھی اس کا فوٹو لیا جاتا ہے۔ تو خدانخواستہ اگر رسم خط قدیم حقیر(۴) بھی ہوتا جب بھی یادگار قدیم ہونے کی وجہ سے اس کی حفاظت ضروری تھی۔ چہ جائیکہ وہ بالکل محفوظ صحیح ہے بلکہ اس میں نکات ہیں چنانچہ ایک جگہ بغاد میں الف نہیں لکھا گیا

---

(۱) اس سب کے باوجود (۲) سورہ القیامہ : آیت ۱۶

(۳) پچھلے بزرگوں (۴) تبدیل

کیونکہ وہاں دوسری قرات بقدو ہے۔ تو صحابہؓ نے اس جگہ بقدو میں الف نہیں لکھا تاکہ دوسری قرات پر بھی رسم خط دال رہے۔ اسی طرح سورہ فاتحہ میں مالک یوم الدین میں الف نہیں لکھا' کیونکہ ایک قرات میں ملک ہے پس رسم خط قرآن میں اس کا بے حد لحاظ کیا گیا ہے کہ سب قراتوں کا جامع رہے۔ اس لئے اسکا بدلنا حرام ہے جب قرآن کی ہر چیز کی حفاظت کی گئی ہے اور یہ مسلمانوں کے لئے بڑا فخر ہے کہ ان کے برابر کسی قوم اور کسی امت نے آسمانی کتاب کی حفاظت نہیں کی' تو آپ کو بھی اس کی ہرچیز کی ویسی ہی حفاظت کرنا چاہئے جیسا کہ اب تک امت نے کی ہے۔

خدا کا احسان ہے اور انعام ہے کہ اس نے یہ خدمت ہم سے لے لی' اگر تم یہ کام نہ کرو گے تو اللہ تعالٰی کسی دوسری قوم سے یہ کام لے لیں گے' چاہے چھوڑ کو دیکھ لو۔ اللہ تعالٰی کو تو ہمارے پیدا کرنے کی بھی ضرورت نہ تھی یہ بھی ان کا انعام محض ہے کہ ہم کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا اور پیدا کرنے سے پہلے ملائکہ سے فرمایا انی جاعل فی الارض خلیفۃ (۱) (کہ میں زمین کے اندر اپنا خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں) کس قدر عنایت ہے ہمارے پیدا ہونے سے پہلے ہی اللہ تعالٰی نے ہم کو خلیفہ اللہ کا خطاب دیا تو گیا خلافت کا حق یہی ہے جو ہم ادا کر رہے ہیں کہ زبان پر یہ بات آرہی ہے کہ خدا قرآن کا خود نگہبان ہے ہم کو کیا ضرورت ہے۔ خدا تعالٰی کی عنایت تو دیکھئے کہ ہم کو ایسی حالت میں خلیفہ بنایا کہ دوسرے لوگ اس منصب کے طالب موجود تھے ملائکہ نے اسی وقت جبکہ اللہ تعالٰی نے انی جاعل فی الارض خلیفۃ فرمایا' یہ عرض کیا تھا کہ ہمارے ہوتے ہوئے انسان کے پیدا کرنے کیا ضرورت ہے۔ قرآن میں ملا ئکہ کا یہ سوال اور اسکا جواب مفصل (۲) مذکور ہے۔ میں اس وقت اس کی تفصیل بیان کرنا نہیں چاہتا صرف یہ بتلانا چاہتاہوں کہ حق تعالٰی کو ہماری ضرورت نہ تھی بلکہ جس کام کے لئے ہم کو پیدا کیا گیا ہے اسکو انجام دینے کے لئے اللہ تعالٰی کی

---

(۱) سورۃ البقرۃ آیت ۳۰ (۲) تفصیل سے

دوسری مخلوق اپنی خدمات پیش کرنے والی موجود تھی' مگر اللہ تعالیٰ کا یہ ہمارے حال پر عنایت (۱) کرم ہے کہ دوسری جماعت کے ہوتے ہوئے بھی ہم کو منصب خلافت عطا کیا اور ہم کو اس خدمت کے لئے پیدا فرمایا۔ اسی طرح خدمت قرآن کے لئے بھی خدا تعالیٰ کو ہماری کیا ضرورت ہو سکتی ہے؟ اگر ہم خدمت دین میں کوتاہی کریں گے تو دوسری قوم کو اس خدمت کے لئے پیدا کر دیں گے۔ چنانچہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اس خیال کا یہی صاف صاف جواب دیا ہے۔ **وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم** (۲) (اگر دین سے اعراض کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے عوض تمہاری جگہ دوسری قوم کو کر دے گا۔ پھر وہ تمہاری طرح (سست و کاہل دین سے جان چرانے والے) نہ ہوں گے۔)

اللہ تعالیٰ اس دین کی خدمت اور قرآن کی حفاظت کے لئے ایسی قومیں پیدا کر دیں گے جو تمہاری جیسی نہ ہوں گی۔ صاحبو! میں آپ کو خبردار و بیدار کرنا چاہتا ہوں کہ جلد سنبھلو' کہیں اس وعید (۳) کا ظہور (۴) نہ ہو جائے' کیونکہ مجھے اس کے آثار نظر آرہے ہیں۔ اس وقت میں ایک خوفناک منظر یہ دیکھ رہا ہوں کہ مسلمانوں کی تحریریں تو کفر آمیز شائع ہوتی ہیں اور اہل یورپ کی تحریریں اسلام کی مدح میں شائع ہو رہی ہیں، گویا بعضے مسلمان تو کفر کی طرف بڑھ رہے ہیں اور بعض کفار اسلام کی طرف' تو اس حالت کو دیکھ کر مجھ کو سخت اندیشہ ہوتا ہے کہ جب دونوں جماعتیں سرحد پر پہنچ چکی ہوں گی تو ایسا نہ ہو کہ وہ تو کفر سے نکل کر مسلمان ہو جائیں اور یہ اسلام سے نکل کر کافر ہو جائیں' دوسری قوموں کو اسلام کی مدح و ثنا کی طرف مائل کر کے حق تعالیٰ ہم کو متنبہ فرما رہے ہیں کہ یہ مت سمجھنا کہ خدا کو یا اسلام کو تمہاری ضرورت ہے بلکہ تم ہی کو اسلام کی ضرورت ہے۔

وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم

---

(۱) بخشش (۲) سورہ محمد: آیت ۳۸ (۳) دھمکی (۴) اظہار (۵) آگاہ

(اگر تم اعراض کرو گے تو ہم تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کر دیں گے پھر وہ تم جیسی نہ ہوگی۔)

اگر تم اعراض کرو گے تو ہم تمہاری جگہ دوسری قوم کو کر دیں گے جو اس وقت باوجود کفر کے اسلام کی مدح کر رہی ہے اور تم ان کی جگہ ہوجاؤ گے کہ باوجود اسلام کے اسلام کی توہین کرتے ہو۔ اور اگر تم اعراض نہ کرو بلکہ بدستور اسلام کی خدمت انجام دیتے رہو اس صورت میں تم بھی مسلمان رہو گے اور شاید دوسری قومیں بھی مسلمان ہوجائیں اور اسلام کی خدمت یا قرآن کی حفاظت جو کچھ آپ کرتے ہیں یہ محض برائے نام ہے' جس سے صرف آپ کا نام ہوجاتا ہے ورنہ اب بھی قرآن کے محافظ دراصل حق تعالیٰ ہی ہیں۔ تم اپنے حفظ پر کیا ناز کرتے ہو' ذرا کافیہ یا اور کوئی نظم اور نثر کی کتاب تو حفظ کرلو آپ کو اسی وقت اپنے حفظ کی حقیقت معلوم ہوجائے گی۔ یہ خدا تعالیٰ ہی کی تو حفاظت ہے کہ قرآن جیسی ضخیم (۱) کتاب کا حفظ کرنا ایسا آسان کر دیا ہے کہ بچے تک حفظ کرلیتے ہیں حالانکہ قرآن میں متشابہات بھی کثرت سے ہیں۔ اس بات پر نظر کرکے یہی کہنا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارا محض نام کرنا مقصود ہے کہ وہ ہم کو حافظان قرآن کی فہرست میں داخل کرکے انعام دینا چاہتے ہیں ورنہ اصل حافظ اور محافظ وہی ہیں

اور عازمین (۲) کی نظر تو اس سے بھی آگے بڑھتی ہے۔ عازمین تو جب قرآن کی تلاوت کرتے ہیں تو ان کو یہ بات منکشف ہوتی ہے (۳) کہ ہم خود نہیں پڑھ رہے بلکہ ارگن باجہ کی طرح بول رہے ہیں' جس میں کسی اور کا کلام بند کیا گیا ہے اور باجہ سے وہی نکلتا ہے جو اس میں بند کیا گیا ہے مگر ظاہر میں یہی سمجھتا ہے کہ باجہ بول رہا ہے یا وہ اس وقت مثل شجر طور کے ہوتے ہیں کہ ظاہر درخت یہ کہہ رہا تھا: یا موسیٰ انی انا اللّٰہ رب العالمین (اے موسیٰ میں اللہ رب العالمین ہوں)

---

(۱) سورۃ محمد' آیت: ۳۸ (۲) بڑی (۳) عزیمت والے (۴) کھلتی ہے۔

مگر درخت کی کیا مجال تھی کہ وہ خود اس طرح بولتا بلکہ کوئی دوسرا بول رہا تھا اور درخت محض اس کا ناقل وحاکی (۱) تھا۔

عارفین کو جب اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے تو کچھ نہ پوچھئے کہ تلاوت قرآن کے وقت ان کی کیا حالت ہوتی ہے اور تلاوت قرآن میں تو اس حالت کا غلبہ ایک خاص وجہ سے زائد ہوجاتا ہے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ صاف صاف اپنی شوکت و عظمت وجلال کو ظاہر فرماتے ہیں۔ کہیں عتاب ہے' کہیں شکایت ہے' کہیں تسلی ہے' کہیں بشارت ہے' کہیں تکلم ہے' کہیں خطاب ہے ورنہ ایک تلاوت قرآن ہی کیا انسان کے تو سارے ہی اعمال ایسے ہیں کہ ان میں انسان محض برائے نام فاعل ہے۔ ورنہ اصل کو کینے والے وہی ہیں' یہ کیا ناز کرتا ہے اپنے علم و کمال پر' کہ میں نے یہ کام کیا میں نے فلاں مسئلہ حل کیا۔ جس دماغ اور جن ہاتھ پیروں سے ہم کام کرتے ہیں' ہر ایک کو اقرار ہے کہ یہ سب سامان خدا تعالیٰ کا عطا کیا ہوا ہے۔ عقل و فہم اور قوت ارادہ قوت عمل بھی انہیں کی دی ہوئی ہے' اب فرمایئے کہ ان سب قویٰ اور جوارح سے جو افعال و کمالات ظاہر ہوں گے وہ ہمارے کدھر سے ہوگئے۔

حیرت ہے اگر ہم اب بھی یہ دعویٰ کریں کہ ہم خود قرآن کی حفاظت کرتے ہیں جب ہمارا پڑھنا اور یاد کرنا ہمارے قبضہ کا نہیں تو ہم حفاظت کرنے والے کون ہیں بلکہ وہی محافظ ہیں جنہوں نے ہم سے یہ کام لیا اور اس کے اسباب عطا کئے اور حفاظت کا تو ادھر سے ہونا بہت ہی ظاہر ہے۔ حقیقت میں تو ہمارا پڑھنا اور تلاوت کرنا بھی ادھر ہی سے ہے' اگر ادھر سے توفیق نہ ہو تو کسی کی مجال نہیں کہ ایک لفظ بھی زبان سے نکال سکے۔ خدا کو منظور نہ ہوتا تو بیمار کو شفا نہیں ہوتی بلکہ جوں جوں دوا کرتے ہیں مرض کو ترقی ہی ہوتی ہے۔ ہر تدبیر الٹا ہی کام کرتی ہے اور جس دوا کو تریاق سمجھا جاتا ہے وہی زہر کا اثر پیدا کرتی ہے۔ اگر شفا طبیبوں اور ڈاکٹروں کے قبضہ میں ہے تو ان کے بیوی بچے تو ہمیشہ مرض کے بعد ضرور صحت یاب ہوجایا کریں

(۱) نقل اور حکایت کرنے والا (۲) اعضاء

کیونکہ اس موقع پر طبیب و ڈاکٹر کسی بھی تدبیر میں کمی نہیں کر سکتا مگر مشاہدہ اس کے خلاف ہے۔

اب تو آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ قرآن پڑھنا بھی مستقلاً ہمارا کام نہیں ہے اس کے محافظ تو ہم کیا ہوتے تو اب یہ محض حق تعالیٰ کا انعام ہے کہ وہ ہمارا نام ہی کرنا چاہتے ہیں ورنہ دراصل سب تصرفات(۱) وہ خود کرتے ہیں۔ اگر اب بھی اس انعام کی طرف رغبت نہ ہو تو سخت محرومی کی علامت ہے۔ یہ کہنا ہرگز صحیح نہیں کہ بدون معانی کے سمجھے قرآن پڑھنے سے کیا فائدہ۔ کیونکہ ایک فائدہ تو یہی ہے کہ معانی کی حفاظت بدون الفاظ کے نہیں ہو سکتی اور معانی کی ضرورت آپ کو بھی مسلم ہے۔ یہ جواب تو سائنس اور عقل کے بھی موافق (۲) ہے اور آجکل عقل اور سائنس کی پرستش زیادہ ہے اس لئے یہ جواب تعلیم یافتہ جماعت پر زیادہ حجت (۳) ہے۔ اور ایک جواب نقلی ہے جو دینداروں پر حجت ہے جو نقل کے سامنے عقل کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتے۔ وہ یہ کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ قرآن کے ہر حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں۔ جس نے ایک بار زبان سے الحمد کہا اسکے نامہ اعمال میں اسی وقت پچاس نیکیاں لکھی گئیں۔ شاید عقل پرستوں (۴) کو یہ جواب پھیکا معلوم ہوا ہوگا مگر صاحبو! حقیقت میں یہ بڑا قیمتی نفع ہے جس کی قدر مرنے کے بعد معلوم ہوگی۔ جبکہ نیکیوں ہی کی پوچھ ہوگی اور اس کے سوا تمام چیزیں ردی ثابت ہوں گی' اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی کے پاس مکہ کے ہلالے اور مجیدیاں (۵) بہت سی جمع ہوں اور ہندوستان والے اس کا مضحکہ(۶) اڑائیں کہ اس سکہ کو جمع کرنے سے تجھے کیا نفع؟ وہ اس کے جواب میں کہتا ہے کہ ہاں ابھی تو کچھ نفع نہیں معلوم ہوتا لیکن ایک خاص دن میں معلوم ہو جائے گا' پھر یہ شخص اور اس کا مضحکہ اڑانے والے دونوں حج کو جائیں تو وہاں پہنچ کر معاملہ برعکس ہوگا کہ اب وہ شخص جس کے پاس ہلالے اور مجیدیاں جمع تھیں ان لوگوں کا مضحکہ اڑائے گا جن کے پاس ہندوستان کے تانبے کے پیسے بہت ہیں مگر مکہ کا سکہ کچھ نہیں تھا اور اب یہ لوگ اس کے سامنے شرمندہ ہوں گے۔

---

(۱) تبدیلیاں (۲) مطابق (۳) دلیل (۴) عقل کے دلدادہ (۵) سکے (۶) ہنسی

اسی طرح ایک اور عالم آنے والا ہے' جس کے بازار میں آپ کے ان سکوں کی کچھ قدر نہیں جو آپ آجکل جمع کررہے ہیں نہ وہاں روپیہ کی قدر ہے نہ اشرفی کی نہ انٹرفیس کی قدر ہے نہ بی اے کی نہ ایل ایل بی کی نہ سی ایس پی کی۔ وہاں کا سکہ یہی نیکیاں ہیں جن کی آپ اس وقت بے قدری کررہے ہیں۔

پس قرآن کے الفاظ کا دوسرا نفع یہ ہے کہ یہ آخرت کا سکہ ہے' جس کی ایک ایک صورت سے آخرت کے لئے بے شمار خزانے جمع ہوجاتے ہیں۔ آپ وہاں جاکر دیکھیں گے کہ ایک سورۂ فاتحہ اور قل ہواللہ سے بے شمار نفع مل گیا۔ مگر ابھی اس واسطے قدر نہیں کہ یہ بازار اس سکہ کا نہیں ہے' یہاں یہ سکہ رائج نہیں' لیکن آخر آپ مسلمان ہیں اور آخرت و قیامت کے آنے کا اعتقاد رکھتے ہیں پھر اس نفع کی بے قدری کس لئے ہے۔

واللہ وہاں جاکر آپ افسوس کریں گے کہ ہائے ہم نے رات دن قرآن کی تلاوت کیوں نہ کی جو آج مالا مال ہوجاتے اور اس وقت اپنے ان عذروں اور بہانوں پر افسوس ہوگا جو آجکل تحصیل (۱) قرآن میں کئے جاتے ہیں۔ مجھے دیندار طبقہ کی بھی شکایت ہے کہ یہ طبقہ بھی تلاوت قرآن کا پوری طرح اہتمام نہیں کرتا۔ بعضے یہ عذر کرتے ہیں کہ ہم کو فرصت نہیں ملتی مگر یہ محض لغو ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ دوستوں سے باتیں کرنے میں بہت وقت ضائع کردیتے ہیں۔ اس وقت ان کو کہاں سے فرصت مل جاتی ہے پھر افسوس کہ تلاوت قرآن کے لئے تھوڑا سا وقت نہیں دیا جاتا۔ دوستوں کے راضی کرنے کا تو اتنا اہتمام اور خدا کے راضی کرنے کا مطلق (۲) اہتمام نہیں۔ بتلایئے اگر خدا تعالیٰ آخرت میں یہ سوال فرماویں کہ تم نے فلاں دن فلاں دوست سے ایک گھنٹہ باتیں کیں مجھ سے آدھا گھنٹہ بھی نہ باتیں کیں تو اس کا کیا جواب دو گے۔

---

(۱) حاصل کرنے (۲) بالکل

پس سچا جواب تو یہ ہوگا کہ یہ کہہ دو کہ ہم کو معاذ اللہ (۱) خدا سے محبت نہیں اگر یہ کہہ دو تو پھر ہم آپ سے خطاب ہی نہ کریں گے۔ لیکن یہ آپ کبھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ آپ کو خدا تعالیٰ سے محبت ہے اس لئے کہ آپ مومن ہیں اور مومن کی شان یہ ہے **والذین آمنوا اشد حبا للّٰہ** (۲) (کہ جو لوگ ایماندار ہیں ان کو اللہ تعالیٰ سے بے حد محبت ہے ۔)

پس آپ کو اللہ تعالیٰ سے ضرور محبت ہے اور ایسی محبت ہے کہ کسی سے بھی اتنی محبت نہیں۔ بعض لوگوں کو شاید اس میں یہ خلجان (۳) ہو کہ ہم کو تو بظاہر اپنی اولاد اور بیوی کے ساتھ زیادہ محبت معلوم ہوتی ہے، مگر یہ خیال صحیح نہیں۔ اولاد اور بیوی کے ساتھ طبعی محبت ہے عقلی محبت نہیں اور طبعی محبت تو جانوروں کو بھی اپنی اولاد وغیرہ سے ہوتی ہے، یہ کچھ کمال نہیں اور نہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایسی محبت مامور بہا (۴) ہے بلکہ محبت عقلیہ مامور بہا ہے، جس کا منشا محبوب کا کمال ہوتا ہے، سو یہ محبت اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ زیادہ ہے اور کسی کے ساتھ ان کے برابر نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے برابر صاحب کمال کوئی نہیں، اور خدا تعالیٰ کے بعد رسول اللہ ﷺ کے برابر کوئی صاحب کمال نہیں اس لئے آپ ﷺ کے ساتھ بھی یقیناً" بہ نسبت سب کے زیادہ محبت ہے، مگر عقلی ہے اور اگر غور کر کے دیکھا جائے تو طبعی محبت بھی مسلمانوں کو اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے زیادہ ہے اور کسی کے ساتھ اتنی محبت نہیں، مگر اس کا ظہور کسی محرک (۵) کے وقت ہوتا ہے۔

موازنہ کے وقت معلوم ہوتا ہے کہ واقعی اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برابر مسلمان کو کسی سے بھی محبت نہیں اور موازنہ ہوتا ہے کسی محرک کے پائے جانے پر، مثلاً" فرض کرو کہ ایک شخص تمہارے ماں باپ کو گالی دے

---

(۱) اللہ کی پناہ (۲) سورہ البقرہ، آیت: ۱۶۵

(۳) الجھن (۴) حکم کی ہوئی (۵) حرکت دینے والے

اور ایک شخص اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں (معاذ اللہ) گستاخی کرے تو بتلاؤ تم کو کس پر زیادہ غصہ آئے گا۔ یقیناً" جس نے اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کی ہے اس پر زیادہ غصہ آئے گا۔ اور تم آپے سے باہر ہو کر اس کی زبان نکالنے پر آمادہ ہو جاؤ گے۔ جب ہر مسلمان کی یہ حالت ہے کہ وہ اپنی ذلت اور اپنے ماں باپ کی ذلت کو گوارہ کر سکتا ہے مگر اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں ذرا سی گستاخی کا تحمل (۱) نہیں کر سکتا تو اب مطمئن رہو کہ بحمداللہ تم کو طبعی محبت بھی اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے زیادہ ہے، مگر اسکا ظہور کسی محرک کے پائے جانے پر ہوتا ہے اور جب آپ کو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت زیادہ ہے تو اب اسکے کیا معنی کہ بدون سمجھے قرآن پڑھنے سے کیا فائدہ۔ قرآن مہمل نہیں نہایت فصیح و بلیغ عجیب و غریب شیریں زبان ہے جو لوگ سمجھتے ہیں وہ تو اس کی فصاحت و بلاغت اور شیرینی کو سمجھتے ہیں مگر جو نہیں سمجھتے ان کو بھی اس میں بہت مزہ آتا ہے۔ تجربہ کرکے دیکھ لو۔ اور جو لوگ تلاوت قرآن کے عادی ہیں وہ اس کا خوب تجربہ کیے ہوئے ہیں اور اگر کسی وقت کوئی خوش الحان (۳) قاری مل جائے تو ذرا اس سے قرآن سن کر دیکھ لو کہ بدون معنی سمجھے تم کو مزہ آتا ہے یا نہیں۔ واللہ بعض دفعہ نہ سمجھنے والوں کو بھی ایسا مزہ آتا ہے کہ دل پھٹ جاتا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد سے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ قرآن پڑھنا گویا اللہ تعالیٰ سے باتیں کرنا ہے' پھر حیرت ہے کہ آپ عاشق ہو کر اپنے محبوب سے باتیں کرنا نہیں چاہتے۔ حالانکہ محبت وہ چیز ہے کہ عاشق طرح طرح سے اس کے بہانے ڈھونڈا کرتا ہے کہ محبوب سے باتیں کرنے کا موقع ملے۔

---

(۱) برداشت (۲) الحمدللہ

(۳) اچھی آواز والا

یہ دولت مسلمانوں کو گھر بیٹھے ہر وقت نصیب ہے کہ وہ جب چاہیں اللہ تعالیٰ سے باتیں کرلیں یعنی قرآن کی تلاوت کرنے لگیں۔ پھر حیرت ہے کہ قرآن کے بدون سمجھے پڑھنے کو بے فائدہ بتلایا جاوے کیا یہ فائدہ کچھ کم ہے۔ صاحبو! یہ بہت بڑی دولت ہے مگر اس کی قدر محبت والے جانتے ہیں۔ بس محبت کی ضرورت ہے ۔ عشاق کی تو یہ حالت ہے کہ محبوب کا نام سننے میں بھی ان کو مزہ آتا ہے۔

پھر غضب ہے کہ مسلمانوں کو خدا کا نام سننے میں مزہ نہ آئے اور قرآن سے زیادہ خدا کا نام کس کتاب میں ہوگا۔ ہر آیت میں قریب قریب بار بار خدا کا نام آتا ہے اور جابجا خدا کی حمد و ثنا اس طرح کی گئی کہ اس سے زیادہ کوئی کر نہیں سکتا اور گو ذکر اللہ کے اور طریقے بھی ہیں، مگر نماز اور تلاوت قرآن سے زیادہ بہتر کوئی طریقہ نہیں۔ حدیث سے یہ بات تصریح(۱) کے ساتھ ثابت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کے الفاظ سے اس قدر عشق تھا کہ آپ خود تلاوت کرتے ہی تھے ایک دفعہ آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے فرمایا کہ مجھے قرآن سناؤ! انہوں نے عرض کیا اعلیک اقراء و علیک انزل (اوکما قال) کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میں سناؤں حالانکہ آپ ہی پر تو قرآن اترا ہے۔ فرمایا ہاں، میں دوسرے کی زبان سے سننا چاہتا ہوں۔

آخر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابی سے یہ درخواست کیوں کی حالانکہ سارا قرآن آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو حفظ تھا۔ اور اس کے معانی بھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ذہن میں حاضر تھے صرف اس لئے کہ قرآن کے الفاظ سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا عشق تھا اور دوسرے کی زبان سے سننے میں بوجہ یکسوئی کے مزہ زیادہ آتا ہے۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ صرف الفاظ قرآن بھی بدون لحاظ معنی کے مطلوب و مقصود ہیں۔

---

(۱) وضاحت

صاحبو! اس سے بڑھ کر الفاظ قرآن کا نفع اور کیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ قرآن پڑھنے والے کی قرأت کی طرف بہت توجہ فرماتے اور نہایت توجہ سے سنتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل و اصدق (۱) کون مخبر(۲) ہوگا سو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو خبر دی ہے کہ حق تعالیٰ قرآن پڑھنے والے پر بہت متوجہ ہوتے ہیں اور نہایت توجہ سے اس کی قرأت سنتے ہیں' اس سے بھی الفاظ کا مقصود ہونا ظاہر ہے کیونکہ قرأت (۳) اور استماع (۴) الفاظ کے متعلق ہے نہ کہ معانی کے' اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہم کو قرآن پڑھتے ہوئے اس امر کا استحضار(۵) کرنا چاہئے کہ حق تعالیٰ ہماری قرات کو سن رہے ہیں۔ اس مراقبہ (۶) کا اثر یہ ہوگا کہ نہایت احتیاط اور اہتمام کے ساتھ صحت کا لحاظ کرکے قرأت کی جائے گی اور بے پروائی کے ساتھ نہ پڑھا جائے گا۔ دوسرے اچھا میں نے مانا کہ معانی ہی اصل مقصود ہیں' مگر یہ کبھی نہ مانوں گا کہ معانی ہر وقت مقصود ہوتے ہیں۔ بلکہ ایک وقت ایسا بھی ضرور ہونا چاہئے جس میں صرف الفاظ ہی مد نظر ہوں اور معانی پر التفات (۷) نہ ہو۔ جیسے کھانا کھانے سے مقصود قوت ہے مگر کھانے کے وقت لذت پر نظر ہوتی ہے۔ صورت پر بھی نظر ہوتی ہے کہ روٹی جلی ہوئی سیاہ نہ ہو سالن میں نمک مرچ بہت تیز یا کم نہ ہو۔ اس وقت کوئی یہ نہیں کہتا کہ مقصود تو قوت ہے' صورت اور لذت پر نظر کرنا بے فائدہ ہے۔ افسوس دنیا کی چیزوں میں تو صورت اور لذت پر نظر ہو اور قرآن میں یہ امور بے فائدہ ہوجائیں' حیرت ہے اور تلاوت قرآن میں لذت اسی وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ تلاوت کے وقت معانی پر توجہ نہ ہو' صرف الفاظ ہی پر توجہ ہو' کیونکہ وہ مراقبہ جو ابھی بیان ہوا ہے کہ تلاوت کے وقت اپنے کو پڑھنے والا نہ سمجھے بلکہ حق تعالیٰ کو متکلم سمجھے۔

---

(۱) زیادہ سچا (۲) خبر دینے والا (۳) پڑھنا

(۴) سننا (۵) خیال رکھنا (۶) متوجہ ہونا

(۷) توجہ

اور اپنے کو مثل شجر طور(۱) کے حاکی(۲) اور ناقل(۳) سمجھے۔ یہ مراقبہ صرف الفاظ پر ہی توجہ کرنے میں حاصل ہو سکتا ہے' معانی پر توجہ کے ساتھ یہ مراقبہ نہیں ہو سکتا۔ چاہے تجربہ کر کے دیکھ لو۔ اسی طرح یہ مراقبہ بھی کہ اللہ تعالیٰ ہماری تلاوت کو سن رہے ہیں' صرف توجہ علی الالفاظ (۴) سے حاصل ہوتا ہے۔ بدون اس کے نہیں ہو سکتا۔ پھر الفاظ بدون فہم معانی(۵) کے بیکار کیوں ہوئے۔

علاوہ ازیں یہ کہ اصل مقصود تمام طاعات(۶) سے قرب حق ہے۔ حق تعالیٰ کے یہاں سے اولاً (۷) الفاظ آئے ہیں اور معانی ان کے تابع ہو کر آئے ہیں۔ پس الفاظ کو اللہ تعالیٰ سے قرب زیادہ ہوا۔ اگر یہ الفاظ قرآن بے معنی بھی ہوتے تو عاشق کے لئے یہی کافی تھے کیونکہ محبوب اگر عاشق کو کوئی چیز دے تو وہاں دو لذتیں ہیں۔ ایک لذت محبوب کے ہاتھ سے ملنے کی دوسری لذت اس چیز کو کھانے کی اور ظاہر ہے کہ عاشق کے رقص (۸) کے لئے تو یہی لذت کافی ہے کہ اس کو محبوب کے ہاتھ سے یہ چیز ملی ہے۔

پس عشاق کے لئے تو الفاظ قرآن ہی رقص کے لئے کافی تھے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اولاً و بالذات (۹) ہم کو ملے ہیں گو ان میں معانی بھی نہ ہوتے۔ مگر معانی کے ساتھ دو لذتیں جمع ہو گئیں تو اب یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ لذت معانی سے لذت الفاظ کو چھوڑ دیا جائے بلکہ دونوں لذتیں قابل لحاظ ہیں۔ اور الفاظ کی لذت اس سے بہت زیادہ قابل لحاظ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اولاً آئے ہیں گویا باعتبار قصد(۱۰) کے معانی اصل ہیں اور الفاظ ان کے تابع۔ بعض جہات (۱۱) سے الفاظ کو زیادہ قرب حاصل ہے اور بعض جہات سے معانی کو زیادہ قرب ہے اور کوئی ایک دوسرے سے مستغنی (۱۲) نہیں۔

---

(۱) طور کا درخت (۲) حکایت کرنے والا (۳) نقل کرنے والا

(۴) الفاظ پر متوجہ ہونے سے (۵) بغیر معانی سمجھے (۶) عبادتوں (۷) سب سے پہلے

(۸) ناچنا (۹) ابتداً خود (۱۰) ارادہ (۱۱) حیثیتوں (۱۲) بے نیاز

یہ میں نے اس لئے کہہ دیا کہ کہیں حفاظ خوش نہ ہوں کہ ہم سب سے افضل ہو گئے کیونکہ الفاظ کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ قرب ہے۔ نہیں بعض جہات سے اہل الفاظ افضل ہیں اور بعض جہات سے اہل معانی۔ اور قرآن کی دونوں چیزیں قابل اہتمام (۱) ہیں صورت بھی اور معنی بھی۔ کیونکہ ہر چیز کی طرف صورت اور معنی دونوں ہی کی وجہ سے رغبت ہوتی ہے۔ صورت کو کوئی بیکار نہیں کہہ سکتا۔

بہت سے الفاظ باہم متحد المعانی (۲) ہوتے ہیں، مگر صورت کی وجہ سے ان میں بڑا فرق ہو جاتا ہے۔ یہ دعویٰ غلط ہے کہ معنی ہی ہمیشہ مطلوب ہوتے ہیں اور الفاظ مطلوب نہیں ہوتے، اس سے بڑھ کر اور سنئے انسان کی ایک صورت ہے اور ایک معانی۔ چنانچہ معنی انسان روح انسانی ہے، جس کی بدولت آدمی گدھے اور کتوں سے ممتاز ہے۔ تو اگر یہ دعویٰ مان لیا جائے کہ صورت محض بے کار ہے تو ان مدعیوں کو چاہئے کہ اپنی اولاد کا گلا گھونٹ دیا کریں کیونکہ یہ تو محض صورت ہے اس کی کیا ضرورت ہے۔ بلکہ مقصود تو معانی ہے۔ یعنی روح، اور وہ گلا گھونٹنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔ کیونکہ موت سے ارواح (۳) فنا نہیں ہوتیں۔ تو کیا اسکو کوئی عاقل گوارہ کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ معلوم ہوا کہ معانی کی طرح صورت بھی مطلوب ہے پھر قرآن ہی میں اسکے خلاف یہ نیا قاعدہ کیوں جاری کیا جاتا ہے کہ اسکی صورت یعنی الفاظ بدون معنی کے بیکار ہے، یہ دعویٰ بالکل باطل ہو گیا کہ بدون معنی کے الفاظ پڑھنے سے کیا فائدہ۔ اس خیال کے لوگوں نے ایک قرآن صرف اردو ترجمہ کی صورت میں بدون متن (۴) قرآن کے شائع کیا ہے۔ خوب سن لیجئے کہ اس کا خریدنا حرام و ناجائز ہے۔ کیونکہ اس کا منشاء یہی ہے کہ یہ لوگ الفاظ قرآن کو بیکار سمجھتے ہیں، دوسرے اس میں بڑی خرابی یہ ہے کہ اگر یہ صورت شائع ہو گئی تو اندیشہ ہے کہ کبھی یہود و نصاریٰ کی طرح مسلمان کے پاس بھی قرآن کا ترجمہ ہی رہ جائے اور اصل غائب ہو جائے۔ جیسا کہ تورات وانجیل کے تراجم ہی آجکل دنیا میں رہ گئے ہیں اور اصلی کتاب معدوم (۵)

---

(۱) توجہ (۲) ہم معانی (۳) روحیں (۴) الفاظ (۵) ختم

ہوگئی ہے پھر ترجمہ کے اندر ہر شخص کو آسانی سے تحریف (۱) کا موقع مل جائے گا اور جب اصل قرآن بھی ترجمہ کے ساتھ ہوگا تو کسی کی تحریف چل نہیں سکتی۔ کیونکہ اس سے ہر شخص ترجمہ کا مقابلہ کرکے اس کی صحت اور خطا کا موازنہ کرسکے گا۔ اسی خیال کے بعض لوگوں نے ایک زمانہ میں یہ حرکت بھی شروع کی تھی کہ نماز کے اندر قرآن کا اردو ترجمہ پڑھنے لگے تھے اور دلیل وہی تھی کہ بے سمجھے قرآن پڑھنے سے کیا نفع ہے۔ اس کے چند جواب عقلی اور نقلی میں اوپر دے چکا ہوں۔ اور ایک جواب سرسید احمد خاں نے دیا ہے' جس کو مجھ سے مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی نے نقل کیا ہے۔ وہ یہ کہ بعض خاصیتیں قرآن مجید کے الفاظ کی ہیں اور بعض خاصیتیں اس کے معانی کی ہیں۔ معانی کی خاصیت تو یہ ہے کہ ان کو سمجھ کر پڑھنے سے قرآن کا مطلب معلوم ہوگا۔ اور الفاظ کی خاصیت متکلم کی عظمت(۲) و شوکت(۳) وصولت(۴) کا استحضار(۵) ہے اور یہ صرف قرآن ہی کے الفاظ کے ساتھ خاص ہے دوسری کسی زبان کو خواہ اس میں کیسا ہی فصیح و بلیغ ترجمہ کر دیا جائے ہرگز نصیب نہیں ہوسکتی' اور عبادت سے مقصود معبود کی عظمت دل میں پیدا کرنا ہے' اور افعال جوارح سے اس کی عظمت کا ظاہر کرنا نہ کہ استحضار قصص و واقعات۔ پس جو لوگ اردو ترجمہ سے نماز پڑھیں گے ان کے دل میں خدا کی وہ عظمت نماز کے اندر نہ پیدا ہوگی جو الفاظ قرآن کے ساتھ نماز پڑھنے والوں کے دل میں ہوتی ہے' کیونکہ وہ لوگ نماز میں ایسی زبان میں قرآن پڑھیں گے جو بندوں کی ایجاد ہے' جو یقیناً" اصلی کلام الٰہی کی برابر باعظمت و شوکت نہ ہوگی۔ نیز ان لوگوں کو نماز میں یکسوئی بھی حاصل نہ ہوگی کیونکہ یکسوئی کے لئے استحضار عظمت ضروری ہے اور ترجمہ سے اس درجہ استحضار عظمت نہ ہوگا جو اصل قرآنی الفاظ سے ہوتا ہے۔

---

(۱) تبدیلی (۲) بڑائی (۳) ہیبت (۴) رعب (۵) پیش نظر ہونا

غرض محبت اور عشق کے لحاظ سے بھی اور نقل و عقل کے اعتبار سے بھی اور تمدن و سیاست کے لحاظ سے بھی الفاظ قرآن کے اہتمام کا نہایت ضروری ہونا ثابت ہوگیا ہے۔ پس مسلمانوں کو تعلیم قرآن اور تلاوت قرآن کا پابندی سے اہتمام کرنا چاہئے اور جب الفاظ قرآن مقصود ہوگئے تو ان کے صحیح پڑھنے کا اہتمام بھی ضروری ہے کیونکہ جب تک الفاظ کو صحیح طور پر ادا نہ کیا جائے گا اس وقت تک وہ عربی زبان نہ کہلائے گی اور تصحیح الفاظ کے بعد اگر عربی لہجہ بھی حاصل کرلیا جائے تو نورٌ علی نور (۱) ہے چنانچہ آجکل انگریزی میں بڑا قابل وہ شمار ہوتا ہے جس کا لہجہ بھی انگریزوں سے ملتا جلتا ہو اور انگریزی لب و لہجہ حاصل کرنے کی بڑی کوشش کی جاتی ہے کہ بعض لوگ تو اسی غرض سے اپنے بچوں کو میموں ہی کے پاس پلواتے ہیں تاکہ بچپن ہی سے انگریزی لہجہ بمنزلہ فطری ہوجائے' حالانکہ لب و لہجہ پر ڈگری ملنا موقوف نہیں اور سارٹیفکیٹ بغیر اس کے بھی مل سکتا ہے۔ صرف حسن کلام اور زیادہ مدح (۲) و ثنا کے لئے اس میں کوشش کی جاتی ہے' پھر دین میں اس کو فضول اور بے کار کیوں کہا جاتا ہے۔ مجھ کو بعض پڑھے لکھوں پر بڑا تعجب ہے کہ وہ قرات میں لہجہ کے مخالف ہیں اور اس کو فضول اور لایعنی (۳) بتلاتے ہیں۔ حالانکہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہر زبان کا ایک خاص لب و لہجہ ہوتا ہے۔ فارسی کا لہجہ الگ ہے' انگریزی کا جدا' بنگلہ کا جدا' اردو کا علیحدہ اور ہر زبان میں لہجہ کی قدر ہے پھر حیرت ہے کہ عربی میں لہجے کی قدر نہ ہو۔ اور یہاں اس کو فضول قرار دیا جائے' یہ سب باتیں قلت محبت سے ناشی (۴) ہیں۔ اگر محبت ہوتی تو قرآن کے اندر بھی لب و لہجہ عربی کی عظمت ہوتی اور اس کی کوشش کی جاتی کہ قرآن کو اس طرح پڑھیں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھتے تھے لوگ اس میں کلام کرتے ہیں کہ تجوید کی ضرورت کس دلیل سے ہے۔

---

(۱) نور پر نور (۲) تعریف (۳) بے کار (۴) دلیل

اس کا جواب فقہ و حدیث سے تو ہے ہی‘ جن میں اس کے وجوب (۱) و استحباب (۲) کے دلائل بالاستیعاب (۳) مذکور ہیں۔ مگر میں اس کا جواب ایک نئے طریقہ سے دیتا ہوں وہ یہ کہ ہماری زبان میں "جھاڑو" کے اندر "ھا" کا اخفا ہے اب اگر کوئی شخص جھاڑو بفتح ہا (۴) کہے تو اہل زبان اس شخص کو بے وقوف بتائیں گے اور کہیں گے کہ ہندوستانی نہیں بلکہ بنگالی معلوم ہوتا ہے ۔ ایسے ہی پنکھا‘ گنگا‘ سنگ‘ زنگ وغیرہ میں نون کو اخفا سے ادا کیا جاتا ہے اگر کوئی شخص نون کو ظاہر کرکے پڑھے یعنی پن کھا۔ گن گا۔ اور سن گ اور زن گ کہے تو اس کو احمق اور غلط خواں (۵) کہیں گے۔ اسی طرح بعض الفاظ کی ادا کا عربی میں خاص طریقہ ہے۔ مثلاً" ان کان میں نون کا اخفا ہے اگر یہاں نون ظاہر کیا جائے گا غلط ہوگا۔مگر لوگ اس کی طرف توجہ نہیں کرتے اس کو ہیچ (۶) سمجھتے ہیں۔مگر میں تحقی کے ساتھ کہتا ہوں کہ شرعاً" علم قرأت کی تحصیل ضروری ہے۔ پس اس کو اعتقاداً" تو ضرور ہی واجب سمجھو‘ پھر جس کا جی چاہے عمل بھی کرے ‘ اگر عمل نہ کرے گا تو محض گناہ ہی ہوگا اعتقاد تو سلامت رہے گا۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر قرأت نہ آئے تو قرآن کی تعلیم ہی حاصل نہ کی جائے ۔ نہیں‘ بلکہ اگر قاری میسر نہ ہو تو قرآن کو اول بغیر قرأت ہی پڑھ لو‘ پھر جب کوئی قاری مل جائے اس سے تصحیح حروف بھی کرلو۔

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ بوڑھے طوطے اب کیا پڑھیں گے‘میں کہتا ہوں کہ اگر آج ہی سرکار کی طرف سے اعلان ہوجائے کہ جو شخص قانون کی کتاب یاد کرلے گا اس کو سو روپیہ یا ہزار روپیہ انعام کا ملے گا تو یہ سب بوڑھے طوطے آج ہی پوتے بن جائیں گے اور قانون یاد کرنے لگیں گے۔ مگر افسوس خدا کے یہاں کے انعام و ثواب کی قدر نہیں حالانکہ بعد کوشش کے ناکامی کے بعد خدا کے یہاں ثواب زیادہ ملتا

---

(۱) واجب ہونا (۲) مستحب ہونا (۳) پوری تفصیل سے

(۴) ھا کے اوپر زبر پڑھے (۵) غلط پڑھنے والا (۶) ضد

ہے دنیا میں تو ناکامی کے بعد کچھ بھی نہیں ملتا۔ اگر کوئی شخص سرکاری تعلیم حاصل کرے اور امتحان میں اسکو ناکامی ہوجائے تو اس کی ساری محنت اکارت (۱) جاتی ہے۔ مگر خدا کے یہاں یہ قاعدہ نہیں بلکہ وہاں یہ قاعدہ ہے کہ جو شخص کوشش میں لگ جائے وہ کامیاب ہی ہوتا ہے۔ خواہ ظاہر میں کوشش کا نتیجہ حاصل ہو یا نہ ہو' مثلاً" آپ تصحیح قرآن کے اسباب اختیار کریں اور کسی قاری سے حروف کی مشق شروع کریں' اگر حروف صحیح ہوگئے تب تو کامیابی ظاہر ہے۔ اگر صحیح نہ بھی ہوئے اور قاری نے کہہ دیا کہ تم سے اس کی امید نہیں تمہاری زبان درست نہ ہوگی' تو اس وقت ظاہر میں آپ ناکام ہیں' مگر خدا کے یہاں کامیاب ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو وہی ثواب دیں گے جو صحیح پڑھنے والوں کو دیا جائے گا۔ حدیث میں ہے:

الماهر بالقران مع السفرة الكرام البررة والذي يتتعتع به وهو عليه شاق فله اجران (اوكما قال)

> " جو شخص قرآن پڑھنے میں ماہر ہے وہ تو ملائکہ کے ساتھ ہے اور جو اٹک اٹک کر پڑھتا ہے اور قرآن کا پڑھنا اس کو دشوار ہے اس کے لئے دوہرا ثواب ہے۔"

کیونکہ یہ قرات بھی کررہا ہے اور مجاہدہ بھی کررہا ہے' تو اس کو قرات کا ثواب الگ ملے گا اور مشقت و مجاہدہ کا ثواب الگ۔ سبحان اللہ کیسی قدردان سرکار ہے مگر لینے والا بھی کوئی ہو۔

اس طریقہ میں اصل مقصود کوشش اور طلب ہے۔ اس کے بعد اگر ظاہر میں بھی کامیابی ہوجائے تو نفس کا مطلوب بھی حاصل ہوگیا اور اگر ظاہر میں ناکامی ہو تو وہ اس وقت حضرت حق (۲) کا مطلوب ہے۔ اب حیرت ہے کہ تم اپنے مطلوب کو محبوب کے مطلوب پر ترجیح دیتے ہو' مطلب یہ ہے کہ تم کو تفویض (۳) کے ساتھ طلب

---

(۱) ضائع (۲) اللہ تعالیٰ (۳) سپردگی

میں مشغول ہونا چاہئے اور ہر نتیجہ پر راضی رہنا چاہئے' خواہ نتیجہ اپنی مراد کے موافق ہو یا خلاف ہو۔ پس یہاں تو بڑا مطلوب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ دیکھ لیں کہ ہم ان کی طلب میں مشغول ہیں اور یہ مدعا ہر حالت میں حاصل ہے۔

طلب اس کا نام ہے کہ صرف طالبوں میں داخل ہونے ہی کو کافی سمجھے۔ اسی کا نام طلب صادق ہے اور جس کو ایسی طلب ہو وہ انشاء اللہ کامیاب ہی ہوتا ہے۔

اگر آپ طلب کو دنیوی عیش و راحت کے لئے چھوڑ سکتے ہیں تو یقیناً" آپ کے دل میں طلب نہیں بلکہ محض نام ہی نام ہے۔ عشق وہ چیز ہے کہ اگر عاشق کو یقین ہوجائے کہ اس میں میری جان جاتی رہے گی اور وصال (۱) سے پہلے ہی مرجاؤں گا' جب بھی وہ عشق کو نہیں چھوڑ سکتا۔ عاشق موت سے کبھی نہیں ڈرتا' ہاں اس کو یہ تمنا ہوتی ہے کہ محبوب بھی دیکھ لے کہ یہ میری محبت میں جان دے رہا ہے۔

واللہ! عاشق کے لئے محبوب کی نظر کے سامنے اس کی محبت میں جان دے دینا یہی بڑی کامیابی ہے۔ اور حق تعالیٰ کا ہم کو اور ہماری محبت کو دیکھنا اور جاننا یقینی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ اس کو لوگ کامیابی نہیں سمجھتے؟

واللہ! جو طالب حق ہیں اگر ان کو ادھر سے دھکے بھی دیئے جائیں اور پورا یقین ہوجائے کہ ہم محروم ہی رہیں گے اور دوزخ میں جائیں گے جب بھی وہ طلب کو ہاتھ سے نہ دیں گے' عبد(۲) کی شان ہی یہ ہے کہ وہ اپنے آقا کے راضی کرنے کی کوشش میں لگا رہے۔ خدا تعالیٰ کا سچا عاشق اور سچا طالب کبھی ناکام نہیں رہ سکتا' نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں' کیونکہ دنیا میں اصل کامیابی راحت و اطمینان کا نام ہے' تمام اسباب کامیابی اسی کے لئے اختیار کئے جاتے ہیں اور یہ طالبان حق کے پاس سب سے زیادہ ہے' کیونکہ پریشانی کی اصل وجہ تجویز(۳) ہے کہ ہم نے چاہا تھا کچھ اور ہوگیا

---

(۱) ملاقات (۲) بندہ (۳) چاہنا

کچھ اور۔ سو اہل اللہ اس کو فنا(۱) کر دیتے ہیں' اور ہمارے چاہنے کا سلسلہ ایسا ہے کہ اس میں شاخ سے شاخ نکلتی جاتی ہے اور برابر پریشانیاں بڑھتی جاتی ہیں۔ اس لئے اہل اللہ نے اس تجویز ہی کو رخصت کر دیا اور ان کی دعا کرنے سے تجویز کا شبہ نہ کیا جاوے۔ دعا اہل اللہ بھی کرتے ہیں اور دنیا والے بھی' مگر اہل اللہ کی دعا ایک خاص وجہ سے دنیا والوں کی دعا سے جدا ہے اور وہ وجہ خاص ایک ایسی چیز ہے جس سے یہ بزرگ ہیں اور تم بزرگ نہیں۔ گو ظاہر میں تم ان سے زیادہ ماتھا رگڑتے ہو اور گھنٹوں دعا میں گڑگڑاتے ہو۔ وہ آن یہ ہے کہ اہل اللہ دعا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے سب کچھ مانگتے ہیں مگر رضا باللہ (۲) کے ساتھ کہ اگر دعا قبول بھی نہ ہوئی تب بھی اللہ تعالیٰ سے اسی طرح راضی رہیں گے۔ جیسے دعا سے پہلے تھے۔ وہ محض حکم کی وجہ سے اظہار عبدیت کے لئے دعا کرتے ہیں۔ اس واسطے دعا نہیں کرتے کہ جو ہم نے مانگا ہے وہی مل جائے' بلکہ ہر حال میں خدا کی رضا پر راضی رہتے ہیں۔ سو جس شخص کا یہ حال ہو اس کی برابر کس کو راحت ہو سکتی ہے؟

اللہ تعالیٰ کی عجیب سرکار ہے کہ یہاں کوئی سعی کرنے والا ناکام نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ بندہ کی طلب کو دیکھتے ہیں چاہے **واصل الی المطلوب** (۳) ہو یا نہ ہو۔ پس اب کسی کو تلاوت قرآن اور تصحیح(۴) حروف میں بہانہ کرنے کا کوئی موقع نہیں۔

قرآن کی صورت و معنی دونوں کی ضرورت ہے اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بدون سمجھے قرآن پڑھنے سے کیا نفع؟ وہ سخت بات زبان سے نکالتے ہیں جس سے ایمان سلب(۵) ہونے کا اندیشہ ہے۔ یہ تو اس شبہ کا جواب تھا جس میں نو تعلیم یافتہ طبقہ بدنام ہے اور یہ لوگ جلدی بدنام ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کی صورت و وضع اور ظاہری افعال احکام اسلام کے خلاف ہوتے ہیں۔

---

(۱) ختم (۲) اللہ کی رضا (۳) مطلوب تک پہنچنے والا (۴) حروف کی درستی (۵) ختم

مگر خدانخواستہ عقائد سب کے خراب نہیں بلکہ ان میں بعض کے عقائد اچھے بھی ہوتے ہیں، مگر ظاہری صورت کی وجہ سے بدنام سب ہیں۔ میں نے ڈھاکہ میں ایک مرتب جلسہ میں خاص طور پر صحیح عقائد ہی کا بیان کیا تھا اور یہ کہا تھا کہ آپ لوگ اگر اپنی پوری اصلاح نہ کرسکیں تو کم از کم دو باتوں کا تو اہتمام کرلیں۔ ایک یہ کہ اپنے عقائد صحیح کرلیں دوسرے جو ناجائز اعمال کرتے ہیں ان کو حرام سمجھ کر کریں کھینچ تان کر ان کے جائز کرنے کی کوشش نہ کریں، کیونکہ تاویل سے حرام فعل حلال تو نہیں ہوسکتا۔ مگر یہ مفسدہ(۱) لازم آئے گا کہ آپ حرام کو حلال سمجھیں گے۔ اور حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے۔ قطعی یا ظنی تو یہ حالت سخت خطرناک ہے اور اگر حرام سمجھ کر کریں گے تو کفر کا خطرہ نہ رہے گا صرف معصیت رہ جائے گی، یہ کفر سے اہون (۲) ہے۔ دوسرے جب آپ اس کو حرام سمجھتے رہیں گے تو کیا عجب ہے کہ کسی وقت توبہ کی توفیق ہوجائے اور اگر مان لیا جائے کہ آپ عمر بھر بھی ان افعال کو نہ چھوڑ سکیں گے تو کفر سے تو بچاؤ رہے گا۔

اب میں آیت کی طرف عود(۳) کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اس غلطی کو رفع فرمایا ہے جو بعض لوگ سمجھے ہوئے ہیں کہ قرآن سے صرف معانی مقصود ہیں۔ یہ خیال غلط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آیات کو قرآن و کتاب فرمایا ہے کہ یہ لکھنے اور پڑھنے کی چیز ہے اور ظاہر ہے کہ لکھنا پڑھنا الفاظ ہی کے متعلق ہے نہ کہ معانی محض (۴) کے۔ اب یہاں ایک نکتہ ہے اور وہ یہ کہ ایک جگہ تو لفظ قرآن کو مقدم کیا ہے لفظ کتاب سے، اور ایک جگہ اس کا عکس ہے، جس سے معلوم ہوا کہ من وجہ(۵) الفاظ میں مقصودیت زیادہ ہے اور من وجہ معانی میں مقصودیت زیادہ ہے اور یہ نکتہ اس طرح حاصل ہوا کہ قرات الفاظ کی ہوتی ہے۔

---

(۱) خرابی (۲) ہلکا (۳) لوٹنا

(۴) صرف (۵) ایک حیثیت سے

اور الفاظ کا مدلول(۱) قریب معانی ہیں اور کتابت نقوش کی ہوتی ہے اور اس کا مدلول قریب الفاظ ہیں اور معانی مدلول بعید (۲)۔ پس قرأت کی حالت میں معانی کی طرف اول ہی توجہ ہوجاتی ہے اور کتابت میں اول الفاظ کی طرف اور انکے واسطے سے معانی کی طرف اور مقصودیت(۳) سے مراد بھی مدلولیت(۴) ہے پس قرات میں زیادہ مقصودیت معانی میں ہوئی اور کتابت میں زیادہ مقصودیت الفاظ میں ہوئی' پس اس مجموعہ میں اشارہ ہوگیا کہ الفاظ بھی اس درجہ میں مقصود ہیں کہ معانی میں من کل الوجوہ (۵) مقصودیت بڑھی ہوئی نہیں بلکہ بعض وجوہ سے الفاظ میں بھی مقصودیت بڑھی ہوئی ہے اور اسی مقام سے ایک اور مسئلہ بھی حاصل ہوگیا جس میں علماء کا اختلاف ہے کہ قرآن کو دیکھ کر مصحف(۶) میں پڑھنا افضل ہے یا حفظ پڑھنا افضل ہے۔ جو حضرات حفظ پڑھنے کو افضل کہتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اس میں تدبر زیادہ ہوتا ہے الفاظ سے بلاواسطہ معانی کی طرف التفات ہوجاتا ہے اور نقوش سے التفات بواسطہ ہوتا ہے اور بعض نے مصحف سے پڑھنے کو افضل کہا ہے اس لئے کہ اس میں محل توجہ متعدد ہوتے ہیں الفاظ تو بواسطہ نقوش اور معانی بواسطہ الفاظ تو اس میں عبادت متعدد (۷) ہوتی ہے۔ یہ تعدد تو باعتبار مدلول کے ہے اور دال کے اعتبار سے بھی تعدد ہی ایک نقوش کے اعتبار سے یعنی عبادت بصر(۸) دوسرے الفاظ کے اعتبار سے یعنی عبادت لسان(۹) پس اس میں دو عبادتیں مجتمع(۱۰) ہوجاتی ہیں' اور ایک نکتہ اور ہوسکتا ہے وہ یہ کہ قرآن کے محفوظ ہونے میں من وجہ الفاظ مقررہ کو زیادہ دخل ہے کہ خدا نہ کردہ اگر جمیع مصاحف(۱۱) تلف ہوجائیں تو حافظان الفاظ از سرنو قرآن مدون(۱۲) کرسکتے ہیں اور من وجہ نقوش کو زیادہ دخل ہے کہ اختلاف فی الالفاظ کے وقت مکتوب کی طرف مراجعت(۱۳) کرکے فیصلہ کرسکتے ہیں۔

(۱) [illegible] (۲) [illegible] (۳) مقصود ہونے (۴) [illegible] دلالت ہے (۵) [illegible] اعتبار سے
(۶) [illegible] (۷) کئی (۸) نظر کی عبادت (۹) زبان کی عبادت (۱۰) جمع
(۱۱) سارے [illegible] (۱۲) جمع (۱۳) رجوع

مبین کی قید سے اس میں اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ قرآن کی قرأت و کتابت دونوں واضح اور ظاہر ہونے چاہئیں۔ اسی لئے فقہا نے قرآن کی تقطیع (۱) چھوٹی کرنے سے منع فرمایا ہے بلکہ مستحب یہ ہے کہ قرآن کی تقطیع بڑی ہو' تاکہ کتابت واضح اور صاف ہو۔ لیکن متوسط تقطیع کا مضائقہ نہیں۔ جیسے حمائل کی تقطیع ہے کہ اس سے سفر میں سہولت ہوتی ہے' ہاں یہ جو آجکل بعض تعویزی قرآن شائع ہوئے ہیں یہ بے شک مکروہ ہے۔ اب حروف مقطعات کا نکتہ بیان کرتا ہوں جو ان آیات کے شروع میں وارد ہیں۔ حروف مقطعات میں بہت سے نکات ہیں ایک نکتہ یہ ہے کہ یہ اسرار ہیں درمیان اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے معانی سے واقف تھے۔ مگر دوسروں پر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کے معانی ظاہر نہیں فرمائے۔ کیونکہ ان کا تعلق محکمہ شرائع عالیہ (۲) سے نہیں' بلکہ دوسرے محکمہ سے ہے۔ ان اسرار کو اسی محکمہ کے آدمیوں پر ظاہر کیا جاتا ہے، کہ ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کو ان سے واقف کیا گیا ہو چونکہ امت کو اس محکمہ سے تعلق نہیں اس لئے ہم لوگوں کو ان اسرار پر مطلع نہیں کیا گیا۔ دوسرا نکتہ ابھی میرے ذہن میں آیا ہے وہ یہ کہ ممکن ہے اس میں اس مضمون پر تنبیہہ مقصود ہو' کہ قرآن سے محض معانی مقصود نہیں بلکہ الفاظ بھی مقصود ہیں کیونکہ بعض الفاظ قرآن میں غیر معلوم المعنی (۳) ہیں۔ اگر صرف معانی مقصد ہوتے تو قرآن میں یہ ایسے الفاظ کیوں ہوتے۔ حالانکہ وہ جزو قرآن ہیں جنکی قرآنیت کا انکار کفر ہے۔ ایک نکتہ اس میں یہ ہے کہ حروف مقطعات میں احاد(۴) و عشرات(۵) و مات (۶) کو جمع کیا گیا ہے' جس سے بعض اہل کشف نے بعض حوادث پر بطور پیشین گوئی کے استدلال کیا ہے جو ایک مستقل علم ہے۔

---

(۱) سائز (۲) شریعت (۳) جن کے معنی معلوم نہیں (۴) اکائیوں (۵) دہائیوں (۶) سینکڑوں

اس کے علاوہ اور بہت سے نکات ہیں۔ خلاصہ بیان کا یہ ہے کہ نہ محض الفاظ کو مقصو سمجھو اور معانی کو بیکار اور نہ محض معانی کو مقصود سمجھو اور الفاظ کو بے کار، بلکہ قرآن کے الفاظ و معانی دونوں مقصود ہیں۔ اس لئے **اصولیین** نے کہا ہے **القرآن اسم للفظ و المعنی جمیعا۔** (ا) غرض دین صحیح وہی ہے جو صورت اور معنی دونوں کا جامع ہے سو قرآن کی بھی یہی شان ہے۔